

سنت اور عادات رسول کا اصولی فرق

سوال :- اپنے مظاہر تقویٰ پر اپنے خیالات کی توثیق فرماتے ہوئے سنت و بدعت کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ:

”سنت و بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو میں غلط بلکہ دین میں تحریف

سمجھتا ہوں جو آپ کے ہاں رائج ہیں۔“

عرض ہے کہ یہ سلسلہ دراصل اصولی ہے۔ اس پر اگر اطمینان بخش فیصلہ ہو جائے تو بہت سے جزوی مسائل، بلکہ اکثر نزاعات اور ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں۔ لہذا سنت اور عادات کی ایسی جامع تعریف فرمادیکھیے جو مانع بھی ہو اور اس کے ساتھ ہی بدعت کے متعلق بھی اپنی تحقیق سے ممنون فرمائیں۔ مزید توضیح مقام کے لیے عرض ہے کہ آپ کا ارشاد کہ:

”آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی وارثی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی وارثی رکھنا

سنت رسول یا اسوۂ رسول ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول کو بعینہ وہ سنت سمجھتے

ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث

کیے جاتے رہے۔“

میرے حسب حال نہیں ہے۔ اگرچہ میں مطلق اعفاء و احمیہ کو سنت رسول سمجھتا ہوں، مگر اسے غرضِ بعثت

و مقصد رسالت آج سے دس سال قبل بھی نہیں سمجھتا تھا اور نہ اب ہی۔ میں تو یقین رکھتا ہوں کہ مقصدِ بعثت

فقط ایک ہی سنت ہے اور وہ ہے ”اقامتِ دین“ یا قیامِ اطاعتِ اللہ۔ باقی امور علی حسب المذاہب

اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سنت کے ہم پلہ دیگر سنن تو کیا، فرائض شرعیہ مثلاً عمارتِ مسجد حرام اور سقائے الخراج

وغیرہ امور بھی نہیں ہیں، اور میرے نزدیک یہی وہ سنت ہے جس کے احیا کو مآۃ شہید کے اجر کا ہم پلہ

قرار دیا گیا ہے۔ ہاں حضور کے ذاتی اسوۂ اعفاء و احمیہ وغیرہ کو سنت مابعد الفرائض الشرعیہ کا حال سمجھتا

ہوں اور اسی کی توثیق یا تصحیح کے لیے فوق الصدور استفسار پیش خدمت ہے۔

جواب: بہ سنت کے متعلق لوگ عموماً سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔ لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا اور اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کیے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کوئی ناجز سنت ہے اور کوئی ناجز عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ اصولی طور پر یوں سمجھیے کہ انبیاء علیہم السلام انسان کو اخلاق صالحہ کی تعلیم دینے اور زندگی کے ایسے طریقے سکھانے کے لیے آتے ہیں جو فطرۃ اللہ الہی فطرۃ الناس علیہا کے ٹھیک ٹھیک منشا کے مطابق ہوں۔ ان اخلاق صالحہ اور فطری طریقوں میں ایک چیز تو اصل و روح کی حیثیت رکھتی ہے اور دوسری چیز قالب و منظر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض امور میں روح اور قالب دونوں اسی شکل میں مطلوب ہوتے ہیں جس شکل میں نبی اپنے قول و عمل سے ان کو واضح کرتا ہے۔ اور بعض امور میں روح اخلاق و فطرت کے لیے نبی اپنے مخصوص تمدنی حالات اور اپنی مخصوص افتاد و مزاج کے لحاظ سے ایک خاص عملی قالب اختیار کرتا ہے اور شریعت کا مطالبہ ہم سے صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم اس روح اخلاق و فطرت کو اختیار کر لیں، رہا وہ عملی قالب جو پیغمبر نے اختیار کیا تھا تو اسے اختیار کرنے یا نہ کرنے کی شرعاً ہم کو آزادی ہوتی ہے۔ پہلی قسم کے معاملات میں سنت روح اور قالب دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، اور دوسری قسم کے معاملات میں سنت صرف وہ روح اخلاق و فطرت ہے جو شریعت میں مطلوب ہے۔ ذکر وہ عملی قالب جو صاحب شریعت نے اس کے اظہار کے لیے اختیار کیا۔ مثال کے طور پر دین کا منشا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر کریں۔ اس کے لیے نبی نے بعض اعمال تو ایسے اختیار کیے جن کی روح اور عملی قالب دونوں سنت ہیں اور دونوں کی پیروی ہم پر لازم ہے، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور بعض طریقے آپ نے ایسے اختیار کیے جن کی روح کو تو اپنے اعمال میں ظاہر کرنا ضروری ہے لیکن قالب کی ہو جو پیروی کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ ہم کو آزادی دی گئی ہے کہ ہم اس روح کے ظہور کے لیے جو عملی قالب

مناسب سمجھیں اختیار کریں۔ مثلاً دعا میں بار بار وہ نام اذکار جو حضور و آقا ﷺ کو ملے تھے۔ ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ انہی الفاظ میں دعا لیں، ان کی جگہ ان الفاظ میں حضور ﷺ لگاتے تھے، البتہ سنت میں ہم پر وہ کلمات کا تعلق ہے کہ ہم ان دعاؤں کے طرز اور ان کی معنوی خصوصیات کو ملحوظ رکھیں اور جن الفاظ میں بھی دعا پڑھا، ان کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی روح موجود ہو۔ اسی نثر اور اس انداز میں سنت پڑھنا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے مختلف حالات و احوال میں خدا کو یاد کرتا رہے۔ اس سے استفادہ کرے، اس سے مدد مانگے، اس کا شکر ادا کرے اور اس سے طلب تیر کرے۔ اس سنت کو حضور نے اپنی عملی زندگی میں، ان مختلف اذکار کے ذریعہ ظاہر اور جاری کیا جو حدیث میں مذکور ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اذکار اور لفظ بلفظ یا وار کے اسی طرح ان کا التزام کرے جس طرح حدیث میں بیان ہوا ہے تو یہ مستحسن یا مستحب تو ہو سکتا ہے لیکن اسے اتباع سنت کا لازمی تقاضا نہیں کہا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص اس سنت کو اپنی ضرورت و فائزین کر کے کسی دوسرے طریقہ سے اس پر عمل درآمد کرے اور اس کے لیے دوسرے الفاظ اختیار کر لے تب بھی وہ بدستور متبع سنت رہے گا اور اس پر غلامانہ و ذلی سنت کا التزام لازم نہ ہوگا۔ یہی فرق تمدنی اور معاشرتی حالات میں بھی ہے۔ مثلاً لباس میں جن اخلاقی و فطری حدود کو قائم کرنا نبی کے مقاصد بعثت میں تھا وہ یہ ہیں کہ لباس سادہ ہو اس میں اسراف نہ ہو، اس میں تکبر کی شان نہ ہو، اس میں تشبہ بالکفارہ ہو وغیرہ۔ اس روح اخلاق و فطرت کا مظاہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لباس سے کیا اس میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کی پیروی جوں کی توں کرنی چاہیے، جیسے سر کے حلوے اور اس بال ازار سے اجتناب اور ریشم وغیرہ کے استہان سے پرہیز اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرز معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو نہ سنت بنانا مقصود تھا نہ ان کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رو سے اس طرز خاص کا لباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے، اور نہ شرائع الہیہ اس غرض کے لیے آیا کرتی ہیں کہ کسی شخص خاص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن، یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سنت بنا دیں۔

سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات باقی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے دینا منجملہ ان بدعات کے ہے جن سے نظام دینی میں

تحریر واقع ہوتی ہے۔

اب خاص اس دائرہ کے معاملہ کو لے لیجئے جس پر اس بحث کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں جس روح اخلاق و فطرت کو اللہ تعالیٰ ہماری عملی زندگی میں نمایاں دکھنا چاہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ موچیں کم کی جائیں اور دائرہ بڑھائی جائے۔ اسی کی ہدایت نبی کریم ﷺ نے ہم کو دی اور سنت ہے۔ اب یہی اس کی عملی صورت تو اس کا کوئی قیہ نہیں بلکہ اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے میں فرمایا، حالانکہ کوئی امر اس میں مانع نہیں تھا کہ آپ اعفاء مجاہد کی مقدار اور قص شارب کی حد واضح طور پر مقرر فرمادیتے یا کم از کم یہی فرمادیتے کہ دائرہ اور موچھ کی ٹھیک ٹھیک، وہی دقت رکھو جو میری ہے جس طرح نماز کے تسلط حضورؐ نے فرمادیا کہ اسی طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ پس، بسبب کہ آپؐ نے اس معاملہ میں کوئی حد مقرر نہیں کی اور صرف ایک عام ہدایت دے کر ہم کو چھوڑ دیا تو اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ روح اخلاق و فطرت اس معاملہ میں مطلوب ہے اس کا نشانہ پورا کرنے کے لیے عزت اتنی بات کافی اور ضروری ہے کہ آدمی دائرہ رکھے اور موچھ کم کرے۔ اگر کوئی مقدار بھی اس کے ساتھ ضروری ہوتی اور اس مقدار کا قائم کرنا بھی حضورؐ کے مشن کا کوئی جزو ہوتا تو آپؐ ہرگز اس کے تعین میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔ محض کم کے دینے پر اکتفا کرنا اور تعین سے اجتناب کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت اس معاملہ میں لوگوں کو آزادی دینا چاہتی ہے کہ وہ اعفاء مجاہد اور قص شارب کی جو صورت اپنے مذاق اور صورتوں کے تناسب کے لحاظ سے مناسب سمجھیں، اختیار کریں۔ اب اگر ایک شخص، موچھوں کے بال بونڈ ڈالنا اور دوسرا شخص انھیں ہٹا کر کڑوا چاہتا ہو کہ کھانے اور پینے میں موچھوں کے بال آلودہ نہ ہوں، تو ان دونوں کو اپنے عمل میں آزادی ہے۔ اور یہ دونوں اپنا اپنی جگہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میرے نزدیک حکم، منشا اس طریقے سے پورا ہوتا ہے جو میں نے اختیار کیا، لیکن ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی اس رائے کو تمام دوسرے انسانوں کے لیے شریعت بنانے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف جو شخص عمل کر رہا ہو اس کو ملامت کرے۔ اگر وہ اسے شریعت بنانے کی کوشش کرے گا اور اس کے خلاف عمل کرنے والوں کو ملامت کرے گا تو یہ بدعت ہوگی، کیونکہ جو چیز سنت نہیں ہے اس کو وہ زبردستی سنت بنا رہا ہے۔ سنت صرف قص شارب کے لئے ہے کہ اس کی کوئی خاص صورت جو کسی شخص نے اپنے سبب واجتہاد سے یا اپنے رجحان طبع سے اختیار کی ہو۔ اسی طرح دائرہ کے معاملہ میں جو شخص حکم کا یہ منشا سمجھتا ہو کہ اسے

بلا نہایت بڑھنے دیا جائے وہ اپنی اس رائے پر عمل کرے، اور جو شخص کم سے کم یک سنت کو حکم کا منشا پرہیز کرنے کے لیے ضروری سمجھتا ہو وہ اپنی رائے پر عمل کرے۔ ان تینوں گروہوں میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ استنباط و اجتہاد سے جو رائے اس نے قائم کی ہے وہی شریعت ہے اور اس کی پیروی سب لوگوں پر لازم ہے۔ ایسا کہنا اس چیز کو سنت قرار دینا ہے جس کے سنت ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور یہی وہ بات ہے جس کو میں بدعت کہتا ہوں۔

رہا یہ استدلال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائرہ رکھنے کا حکم دیا اور اس حکم پر خود ایک خاص طرز کی دائرہ رکھ کر اس کی عملی صورت بتا دی، لہذا حدیث میں حضورؐ کی جتنی اور جیسی دائرہ مذکور ہے اتنی ہی اور ویسی ہی دائرہ رکھنا سنت ہے، تو یہ ویسا ہی استدلال ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ حضورؐ نے ستر عورت کا حکم دیا اور ستر چھپانے کے لیے ایک خاص طرز کا لباس استعمال کر کے بتا دیا، لہذا اسی طرز کے لباس سے تن پوشی کرنا سنت ہے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو میرے نزدیک آج تبعمین سنت میں سے کوئی شخص بھی اس سنت کا اتباع نہیں کر رہا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو زندگی میں جاری کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کی پیروی کے لیے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضورؐ کے شخصی مذاق اور طبیعت کی پسند پر مبنی تھیں، کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپؐ پیدا ہوئے تھے اور کچھ اس زمانہ کے حالات پر جس میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اشخاص اور تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لیے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔